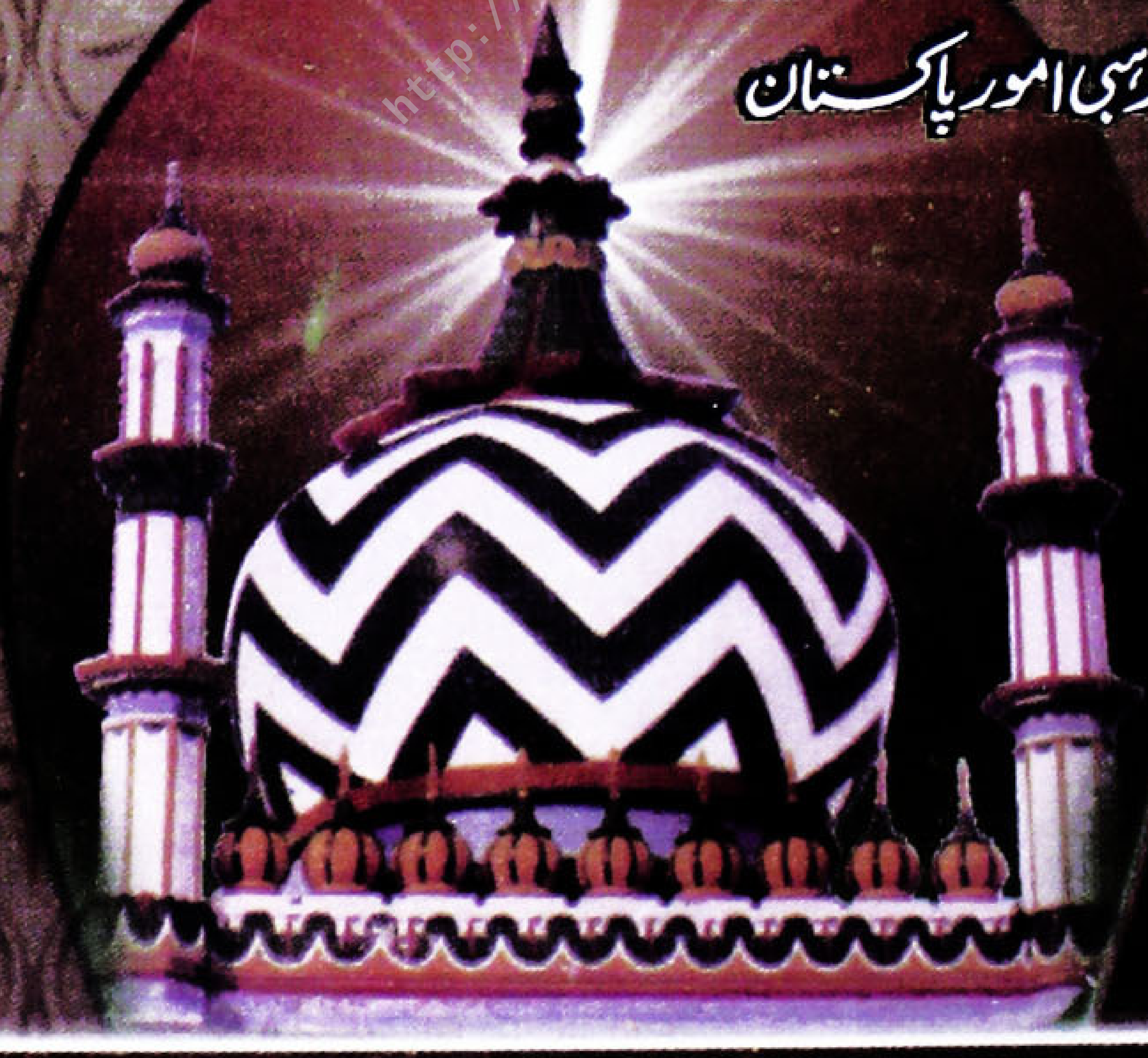
امام احمد رضا

ایک ہمہ جہت شخصیت

مولانا کوثر نیازی
سابقہ وزیر مذہبی امور پاکستان



ناشر:- ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کشمیر

٤٨٦
٩٢

امام احمد رضا

ایک ہمہ جہت شخصیت

مولانا کوثر نیازی

ناشر

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا

گلشن رضا جانباز چوک خانپورہ بارہمولہ ۱۹۳۱۰۱ کشمیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب ـــــــــــ امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت

مصنف ـــــــــــ مولانا کوثر نیازی پاکستان

باراول ـــــــــــ ادارہ معارف نعمانیہ لاہور

باردوم ـــــــــــ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

بارسوم ـــــــــــ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کشمیر

سن اشاعت ـــــــــــ جنوری 2004ء

☆☆☆☆ ملنے کے پتے ☆☆☆☆

۱۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا اسلام آباد

D-144/4 اسٹریٹ-38 سیکٹر F-6/1 اسلام آباد 44000 پاکستان

۲۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

25 جاپان مینشن، رضا چوک، ریگل صدر کراچی 74400 پاکستان

۳۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کشمیر

گلشن رضا جانباز چوک خانپورہ بارہمولہ 193101 کشمیر

تعارف

مولانا کوثر نیازی صاحب تعارف کے محتاج نہیں، وہ برصغیر کی ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں وہ بے باک صحافی اور کہنہ مشق ادیب و شاعر ہیں، قدیم و جدید علوم پر دسترس رکھتے ہیں اور حق بات کہنے اور قبول کرنے میں جھجک محسوس نہیں کرتے وہ بلا خوف و خطر اپنے خیالات کا برملا اظہار کرتے ہیں ان تمام خوبیوں کے باوجود وہ مغرور و متکبر نہیں، بلکہ متواضع و منکسر المزاج ہیں وہ ایک شریف النفس انسان ہیں اور دلنواز شخصیت کے مالک ہیں۔

مولانا کوثر نیازی صاحب ۲۱ اپریل ۱۹۳۴ء کو میانوالی میں پیدا ہوئے طالب علمی کے زمانے ہی سے عملی سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا اور اسی زمانے میں وہ کچھ عرصہ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے جنرل سکریٹری کے عہدے پر فائز رہے۔

پنجاب یونیورسٹی سے اردو، فارسی اور عربی میں آنرز کیا مولانا مودودی صاحب سے اسلامیات کی تعلیم حاصل کی، مولانا امین احسن اصلاحی سے تفسیر قرآن، مولانا محمد اسمٰعیل سے حدیث اور مولانا محمد ادریس کاندھولی سے بخاری شریف کا درس لیا عربی کی تعلیم عبدالحق ندوی سے حاصل کی۔

مولانا کوثر نیازی صاحب سیاست کا ایک وسیع تجربہ رکھتے ہیں، ابتدائے سیاست میں جماعت اسلامی سے منسلک رہے مگر کچھ عرصہ بعد اس سے علیحدہ ہو گئے پاکستان کے ارباب بست و کشاد، ملکی اور بین الاقوامی معاملات پر ان کی آراء کو بڑی وقعت دیتے وہ خود بھی ایک عرصہ تک ملک کی مجلس ارباب حل و عقد کے فعال رکن رہے ہیں۔ انہوں نے پاکستان کے پہلے وزیر مذہبی امور کی حیثیت سے ۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۷ء تک

ملک وقوم کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں ان سب کے علاوہ مولانا کا سب سے بڑا طرۂ امتیاز ان کی بے باکی اور بایں ہمہ علم وفضل ان کی منکسر المزاجی ہے۔

مولانا کوثر نیازی صاحب بین الاقوامی شہرت کے حامل ہیں انہوں نے سرکاری ونجی سطحوں پر کئی مرتبہ بین الاقوامی کانفرنسوں میں پاکستان کی نمائندگی کی وہ ایک خوددار مسلمان ہیں جس کا اظہار ان کی تحریروں اور تقریروں سے بخوبی ہوتا ہے انہوں نے ۱۹۸۹ء میں شاتم رسول سلمان رشدی اور اس کی رسوائے زمانے کتاب کے خلاف اسلام آباد میں ایک بڑے احتجاجی جلوس کی قیادت کی اور اس رسوائے زمانہ کتاب SATANIC VERSION کے خلاف پاکستان میں سب سے پہلے ان ہی کا مضمون روز نامہ "جنگ" میں شائع ہوا تھا۔ جس کے بعد پورے ملک میں اس شاتم رسول اور اس کی رسوائے زمانہ کتاب کے خلاف مظاہرے ہوئے۔

مولانا کوثر نیازی صاحب نے زیر نظر مقالہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (کراچی) کے زیر اہتمام منعقدہ "امام احمد رضا کانفرنس" مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۹۰ء میں پڑھا تھا جو شرکائے کانفرنس میں بہت پسند کیا گیا۔ بعد میں یہ مقالہ روزنامہ "جنگ" راولپنڈی اور لاہور میں شایع ہوا جس کی تمام ملک میں بڑی پذیرائی ہوئی اس کی مقبولیت عامہ کو دیکھتے ہوئے لاہور کے "ادارہ معارف نعمانیہ" نے کتابی شکل میں شائع کر کے اہل علم و انصاف میں مفت تقسیم کیا۔ پھر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (کراچی) مشہور ادیب ومحقق محترم المقام پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ کے مقدمے کے ساتھ اس مقالے کو کتابی صورت میں شائع کیا۔ نیز اس مقالے کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی الگ سے شائع کیا۔ اب "ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کشمیر" اس رسالے کی افادیت اور اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے متلاشیان حق اور شائقین تحقیق کے لئے شائع کرتے ہوئے قارئین کی مفید آراء کا منتظر ہے۔

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کشمیر

تقدیم

از:۔ ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد (ایم اے، پی ایچ ڈی)

پاکستان کے سابق وزیر مذہبی امور اور اقلیتی امور جناب مولانا کوثر نیازی ملک کی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ وہ میدان صحافت اور میدان سیاست کے شہسوار ہیں انہوں نے زمانہ کے نشیب و فراز دیکھے ہیں وہ شاعر و ادیب بھی ہیں ع

اللہ اللہ ہستی شاعر قلب غنچہ کا آنکھ شبنم کی

امام احمد رضا کو پرکھنے کے لئے ایسے ہی دل کی ضرورت تھی جو سچی بات کو سننے اور کہنے کی صلاحیت رکھتا ہو جو جانب دار و طرف دار نہ ہو جو سخت دل سخت جان سخت گیر نہ ہو جو خدا لگتی کہتا ہو، ع

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

مولانا کوثر نیازی نے یہ مقالہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (کراچی) کی سرپرستی میں ۱۴ ستمبر ۱۹۹۰ء کو تاج محل ہوٹل (کراچی) میں منعقد ہونے والی امام احمد رضا کانفرنس میں پڑھا تھا جو کانفرنس میں پسند کیا گیا اور سراہا گیا راقم بھی اس کانفرنس میں شریک تھا اور مولانا سے پہلی مرتبہ اسی کانفرنس میں ملاقات بھی ہوئی۔

یہ مقالہ بعض اخبارات میں بھی شائع ہو چکا ہے اور ادارہ معارف نعمانیہ لاہور نے اس کو کتابی صورت میں شائع کیا ہے اور اب ادارہ تحقیقات امام احمد رضا اردو کے علاوہ اس کا عربی اور انگریزی ترجمہ بھی شائع کر رہا ہے۔

مولانا کوثر نیازی امام احمد رضا کے عقیدت مندوں میں نہیں تھے انہوں نے امام احمد رضا کے بارے میں جو کچھ لکھا اپنے ذاتی مطالعے، مشاہدے اور تجربے

کی بنیاد پر لکھا ہے اس لئے ان کے خیالات وسیع معلوم ہوتے ہیں اور امام احمد رضا پر کام کرنے والوں کے لئے رہنما ثابت ہوسکتے ہیں۔

مولانا کوثر نیازی مقالے کے آغاز ہی میں یہ چونکا دینے والا فیصلہ فرماتے ہیں:۔

"برصغیر میں یوں تو کئی جامع الصفات شخصیات گزری ہیں مگر جب ایک غیر جانب دار مُبصّر ان سب کا جائزہ لیتا ہے تو جیسی ہمہ صفت موصوف شخصیت امام احمد رضا کی نظر آتی ہے ویسی کوئی دوسری نظر نہیں آتی (امام احمد رضا خاں بریلوی ہمہ جہت شخصیت مطبوعہ لاہور ۱۹۹۰ء ص ۴)۔

راقم کے استاد گرامی اور ملک کے مایہ ناز محقق پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں (صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی) نے بھی امام احمد رضا کے بارے میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار فرمایا تھا اس میں شک نہیں کہ جس نے امام احمد رضا کا غیر جانب دارانہ مطالعہ کیا وہ اسی نتیجہ پر پہنچے گا۔

بے مثالی کی ہے مثال وہ حُسن
خوبیِ یار کا جواب کہاں

لیکن یہ ایک المیہ ہے کہ ایسی عظیم شخصیت بدگمانیوں اور الزام تراشیوں کے غبار میں چھپا دی گئی تھی اور مزید المیہ یہ کہ یہ کام مخالفت کی بنا پر بعض اہل علم نے جان بوجھ کر کیا بہرحال یہ غبار اب چھٹ گیا ہے اور امام احمد رضا پر ایشیاء افریقہ، امریکہ اور یورپ کی مختلف یونیورسٹیوں میں کام ہو چکا ہے۔ اور ہو رہا ہے۔

امام احمد رضا پر مخالفین نے بہت سے الزامات لگائے سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ امام احمد رضا بریلوی ایک فرقہ کے بانی تھے مولانا کوثر نیازی اس خیال سے متفق نہیں وہ لکھتے ہیں:

"بدقسمتی سے ہمارے ہاں اکثر لوگ انہیں بریلوی نامی ایک فرقے کا بانی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ اپنے مسلک کے اعتبار سے صرف حنفی اور سلفی ہیں" (ص ۶)۔

کولمبیا یونیورسٹی (امریکہ) کی فاضلہ ڈاکٹر اوشا سانیال (جنہوں نے بریلوی تحریک پر ڈاکٹریٹ کیا ہے) سے جب راقم نے یہ کہا کہ "بریلوی فرقہ نہیں ہے" تو وہ چونک گئیں اور حیرت سے منہ تکنے لگیں جب سمجھایا تو فکر میں پڑ گئیں اصل میں یہ حقیقت آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتی کیونکہ عام تاثر یہی ہے کہ بریلوی ایک فرقہ ہے جس کے بانی امام احمد رضا تھے بقول ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی حضرات اہلِ حدیث نے اہلِ سنت کو یہ لقب عطا فرمایا تھا پھر اہلسنت نے اس لقب کو قبول کرتے ہوئے اپنایا اور بریلوی مشہور ہوگئے حالانکہ ؎

مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

ماضی میں سلف صالحین کی یہی شان تھی اسی لئے مولانا کوثر نیازی نے امام احمد رضا کو سلفی کہا ہے پھر رفتہ رفتہ گردشِ دوراں کے مارے اصل سے جدا ہو کر ٹکڑیوں میں بٹ گئے یہ ایک قومی المیہ ہے جس نے ملتِ اسلامیہ کی ساکھ کو سخت نقصان پہونچایا ہے اب ہر کوئی فکرمند ہے لیکن اس کو نہ تشخیص سے غرض ہے اور نہ تجویز و علاج سے ؎

رَو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

امام احمد رضا پر دوسرا الزام یہ تھا کہ وہ بدعتی ہیں اور انہوں نے بدعات کو بہت فروغ دیا ہے یہ بات اتنی مشہور کردی گئی کہ لوگ یقین کرنے لگے حالانکہ معاملہ بالکل برعکس ہے مولانا کوثر نیازی نے اپنے مقالے میں ایسے شواہد پیش کئے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا نے تو بدعات کی سرکوبی کی ہے مولانا حیرت سے کہتے ہیں:

"کیا ستم ظریفی ہے کہ جو ردِ بدعات میں شمشیرِ برہنہ تھا اسے خود حامی بدعات قرار دیا گیا۔" (ص ۵)

امام احمد رضا پر تیسرا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ وہ تکفیر مسلم کے عادی تھے جس کو چاہا کافر کہہ دیا حالانکہ یہ بات خلافِ حقیقت ہے بلکہ جو حضرات اس قسم کے الزامات لگاتے ہیں ان کے محبوب قائدین کے دامن نہ صرف تکفیر مسلم سے داغدار ہیں بلکہ خونِ مسلم سے بھی داغدار ہیں یہ ایک خونچکاں حقیقت ہے جس کو چھپایا جاتا ہے اپنی غلطیوں کی پردہ پوشی کا یہ طریقہ نکالا کہ امام احمد رضا کو موردِ الزام ٹھہرایا بہرحال اس سلسلے میں مولانا کوثر نیازی نے بڑی دل لگتی بات کہہ دی ہے۔ ان کے نزدیک امام احمد رضا کے فتویٰ تکفیر کا اصل محرک عشقِ رسول تھا اسی لئے جن حضرات کی گستاخیِ رسول کی بناء پر امام احمد رضا نے تکفیر کی خود انہوں نے ان کے اس جذبے کو سراہا ہے، مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا ادریس کاندھلوی کے تاثرات وخیالات پڑھ کر اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ؎

مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اڑ جائے
جلاد کو لیکن وہ کہے جائیں کہ "ہاں" اور

مولانا کوثر نیازی لکھتے ہیں۔

"وہ فنا فی الرسول تھے اس لیئے ان کی غیرتِ عشق احتمال کے درجے میں بھی توہین رسول کا کوئی خفی سے خفی پہلو بھی برداشت کرنے کو تیار نہ تھی۔" (ص ۷)

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں۔

ادب واحتیاط کی یہی روش امام رضا کی تحریر وتقریر کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے۔ (ص ۸)

اور آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"مخالفین جس بات کو شاہ احمد رضا کا تشدد کہتے ہیں وہ تشدد نہیں

ان کا عشقِ رسول ہے ان کا ادب و احتیاط ہے جو فتویٰ نویسی سے لے
کر ترجمۂ قرآن تک اور ترجمۂ قرآن سے لے کر ان کی نعتیہ شاعری تک
ہر جگہ آفتاب و مہتاب بن کر ضو فشانی کر رہا ہے۔ (ص ۱۲)

مولانا کوثر نیازی نے جو بات کہی دلیل کے ساتھ کہی۔ ترجمۂ قرآن کے سلسلے میں ہنہوں نے مولانا محمود حسن دیوبندی، مولوی عبدالماجد دریا آبادی اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے تراجم سے امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن کا تقابل کرتے ہوئے اپنے موقف کو ثابت کیا ہے۔ اس کے باوجود بعض اسلامی ممالک میں امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن پر پابندی لگانا اور سلمان رشدی کی گستاخیوں پر خاموشی اختیار کرنا مولانا کے لئے سخت حیران کن ہے۔ حیرت سے پوچھتے ہیں۔

"کیا ستم ہے کہ فرقہ پرور لوگ رشدی کی ہفوات پر تو زبان
کھولنے سے اور عالم اسلام کے قدم بقدم کوئی کارروائی کرنے میں اس
لئے تامل کریں کہ کہیں آقایانِ ولی نعمت[1] ناراض نہ ہو جائیں مگر
امام احمد رضا کے اس ایمان پرور ترجمے پر پابندی لگا دیں جو عشق
رسول کا خزینہ اور معارف اسلامی کا گنجینہ ہے۔ (ص ۹)

اصل میں آقایان ولی نعمت گستاخیوں کو پروان چڑھانا چاہتے ہیں۔ تاکہ ملتِ اسلامیہ کو جسدِ بے روح بنا دیا جائے اسی لئے گستاخوں نے پابندی لگوائی اور حقِ نمک ادا کیا۔ اب تک یہ بات چھپی ہوئی تھی کہ گستاخانِ رسول کا آقایانِ ولی نعمت سے اندرونِ خانہ تعلق و محبت ہے اور سارا الزام امام احمد رضا کے سر تھا مگر اب خلیج کے بحران نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیا ہے گردشِ دوراں نے دکھا دیا کہ نصاریٰ کے دمساز امام احمد رضا تھے یا امام احمد رضا کے مخالفین اور ان کے ترجمۂ قرآن کنزالایمان پر پابندی لگانے والے ؟

---

[1] برطانیہ و امریکہ ۱۲ ناشر۔

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

راقم نے اپنے ایک تحقیقی مقالے گناہِ بے گناہی (مطبوعہ لاہور و مبارکپور ۱۹۷۸ء) میں امام احمد رضا پر انگریز نوازی کے الزام کی تاریخی شواہد کی روشنی میں تحقیق کی ہے اس سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ امام احمد رضا کا دامن اس داغ سے بے داغ تھا ہاں ان کے مخالفین کے دامن ضرور داغدار تھے۔

جب امام احمد رضا نے بعض شرعی وجوہ کی بناء پر ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیا تو ان کے مخالفین نے غل مچایا کیوں کہ وہ اپنے ذاتی مفاد کے لئے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر بے دست و پائی کے باوجود انگریزوں سے جنگ کرنا چاہتے تھے تاکہ مسلمان اور کمزور ہو جائیں اور انگریزوں کی نظر میں آجائیں۔ امام احمد رضا نے اپنے فتوے سے ان عزائم کو خاک میں ملا دیا لیکن یہ بات حیران کن ہے کہ جو حضرات انگریزوں کی حکومت میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے پر مصر تھے وہ ہندوؤں کی حکومت میں ہندوستان کو دارالاسلام کہہ رہے ہیں یہ تضاد دیکھ کر مولانا کوثر نیازی حیران ہیں:

"حیرت ہے کہ جو لوگ انگریز کے زمانے میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے پر مصر تھے۔ آج ہندو راج میں اسے دارالحرب قرار دینے کا لفظ بھی منہ سے نہیں نکالتے۔ آج ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے والے مفتیان کرام کے وارث مہر بلب ہیں اور اس طرح اپنے عمل سے امام احمد رضا کے فتوے کی تائید کر رہے ہیں (ص ۱۴)

افسوس ہے کہ بیسویں صدی عیسوی میں مذہب کا استحصال کیا گیا جو اب تک جاری ہے بلکہ اب تو مذہب کے ساتھ ساتھ غربت کا بھی استحصال ہو رہا ہے امام احمد رضا اس استحصال کے خلاف تھے اور وہ زندگی بھر اس کے خلاف نبرد آزما رہے ایسے شخص کو انگریزوں کا حامی و دمساز کہنا کیسی ستم ظریفی ہے۔ امام احمد رضا سیاست داں نہ تھے بلکہ مُدبّر تھے۔ سیاست

داں عوام کا نبض شناس ہوتا ہے اور مُدبّر زمانے کا نبض شناس، سیاست داں کی نظر عوام پر رہتی ہے اور مُدبّر کی نظر زمانے پر، دونوں میں یہی فرق ہے اور یہ بہت بڑا فرق ہے ؏

آیام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر

مولانا کوثر نیازی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"سب سے پہلے تو اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ امام احمد رضا (POLITICIAN) پالیٹیشن نہیں، اسٹیٹسمین تھے۔ سیاسی لیڈر نہ تھے مدبر تھے۔ پالیٹیشن اور سیاسی لیڈر عوام کی خواہشات کے تابع ہوتے ہیں جب کہ اسٹیٹسمین اور مدبرین پیش بینی کر کے حالات کا رخ متعین کرتے ہیں (ص ۱۴)

یہی پیش بینی اور دور اندیشی تھی کہ جب محمد علی جناح اور ڈاکٹر اقبال متحدہ قومیت کی بات کر رہے تھے، امام احمد رضا نے دو قومی نظریہ کی بات کی ابتدا میں مسلمان سیاسی لیڈروں نے اس کی اہمیت کو نہ سمجھا مگر بعد میں دور اندیش سیاست داں اس طرف آ گئے، چنانچہ محمد علی جناح اور ڈاکٹر اقبال بھی دو قومی نظریہ کی طرف مائل ہو گئے بلکہ انہوں نے اس کو اپنا فکری اور سیاسی لائحہ عمل بنا لیا مولانا کوثر نیازی اس تاریخی پس منظر پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" انہوں نے متحدہ قومیت کے خلاف اس وقت آواز اٹھائی جب اقبال اور قائد اعظم بھی اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر تھے دیکھا جائے تو دو قومی نظریہ کے عقیدے میں امام احمد رضا مقتدا ہیں اور یہ دونوں مقتدی۔ پاکستان کی تحریک کو کبھی فروغ حاصل نہ ہوتا اگر امام احمد رضا سالوں پہلے مسلمانوں کو ہندوؤں کی چالوں سے باخبر نہ کرتے۔" (ص ۱۵)

عرصہ ہوا یہ بات راقم نے اپنے ایک انگریزی مقالے میں لکھی تھی جس کا مسودہ

مشہور مورخ اور ماہر تعلیم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم نے مطالعہ فرمایا انہوں نے سوال کیا کہ کن شواہد کی بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ محمد علی جناح اور ڈاکٹر اقبال دو قومی نظریہ کے سلسلے میں امام احمد رضا سے متاثر تھے راقم نے یہی جواب دیا کہ ہندوستان میں متحدہ قومیت کی بات ہو رہی تھی اس وقت امام احمد رضا دو قومی نظریہ کی بات کر رہے تھے جس کا برصغیر کے طول وعرض میں چرچا ہوا اس لئے دونوں حضرات کا ان سے متاثر ہونا بدیہی امر ہے جس کے لئے شواہد کی ضرورت نہیں پھر یہ دونوں امام احمد رضا کے معاصرین میں تھے۔

مولانا کوثر نیازی نے صحیح فرمایا۔

"ہماری قوم بدقسمتی سے انتہا پسند واقع ہوئی ہے۔ (ص ۱۵)"

تحریک خلافت، تحریکِ ترکِ موالات، تحریکِ ترکِ حیوانات، تحریکِ کھدّر، تحریکِ ہجرت وغیرہ میں یہی انتہا پسندی نظر آتی ہے۔ امام احمد رضا سیاسی امور میں ہوش مندی اور اعتدال پسندی کے قائل تھے خصوصًا جب کہ ایک عیار اور چالاک اور طاقتور دشمن سے پالا پڑے۔ افسوس یہ ہے کہ سیاسی ہنگامہ آرائی میں ملی شعور مدبروں کے ہاتھ سے نکل کر سیاست دانوں کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے پھر وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔

مولانا کوثر نیازی امام احمد رضا کے تدبّر پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"ایسے میں مخالفتوں اور الزام تراشیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلکِ اعتدال پر قائم رہنا اور دو قومی نظریہ کے فروغ کے لئے مدبرانہ دوربینی کی سیاست پر کاربند رہنا امام احمد رضا جیسے آہنی اعصاب رکھنے والے انسان ہی کا کام تھا۔ رہا یہ کہنا کہ ان کے اقدامات انگریز نوازی پر مبنی تھے تو یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو یا تو امام رضا کے مسلک کو سرے سے جانتا ہی نہ ہو یا جانتا ہو مگر جان کر نہ ماننا چاہتا ہو۔ (ص ۱۶)

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا کو سیاسی امور میں بہ بصیرت اور استقامت عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل نصیب ہوئی تھی۔ ان کا مسلک، مسلک عشق و محبت تھا، وہ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی تھے وہ اسلام کے شیدائی تھے ان کا عشق رسول اس سلام سے عیاں ہے جس کی گونج مشرق و مغرب میں سنی جا رہی ہے مولانا کوثر نیازی اس سلام کے لئے لکھتے ہیں۔

"بلا خوفِ تردید کہتا ہوں کہ تمام زبانوں اور تمام زمانوں کا پورا نعتیہ کلام ایک طرف اور شاہ احمد رضا کا سلام (مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام) ایک طرف دونوں کو ایک ترازو میں رکھا جائے تو احمد رضا کے سلام کا پلڑا پھر بھی جھکا رہے گا"

پھر لکھتے ہیں؛

"مجھے افسوس ہے کہ اہل قلم نے اس جانب توجہ نہیں دی ورنہ اس کے ایک ایک شعر کی تشریح میں کئی کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں"۔ (ص ۱۱)

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وجہ سے امام احمد رضا کی شاعری اتنی بلند اور باوقار ہے کہ آج دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں اس کا کام ہو چکا اور ہو رہا ہے مثلاً پنجاب یونیورسٹی (لاہور) عثمانیہ یونیورسٹی (حیدر آباد دکن) کلکتہ یونیورسٹی (کلکتہ) اور برمنگھم یونیورسٹی (یو، کے)[1] وغیرہ اور شاعری پر مقالات و مضامین تو بکثرت شائع ہو چکے ہیں۔ امام احمد رضا کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر وہ حدیث یاد آتی ہے جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانے کے ان عشاق کے متعلق یہ پیشن گوئی فرمائی ہے :۔

"میری امت میں سب سے بڑھ کر مجھ سے محبت رکھنے والے وہ بھی ہوں گے جو یہ تمنا کریں گے کہ کاش اپنا مال اور کنبہ قربان کر کے اپنے رسول کو دیکھ لیتے۔ (مشکوٰۃ شریف)

اس حدیث مبارک کو پڑھ کر امام احمد رضا کے یہ الفاظ یاد آتے ہیں جو انہوں نے گستاخان رسول کے جواب میں کہے ہیں :

---

[1] روہیلکھنڈ یونیورسٹی، کانپور یونیورسٹی، پٹنہ یونیورسٹی، ۱۲ ناشر

"محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی سے باز رہنا اس شرط پر مشروط رہے کہ اس بندۂ خدا کے ساتھ اس کے باپ دادا اکابر علماء قُدِّسَتْ اَسْرَارُھُمْ کو بھی گالیاں دیں تو ایں ہم برعلم! اے خوشا نصیب! اس کا کہ اس کی آبرو، اس کے آباد اجداد کی آبرو بدگویوں کی زبانوں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو کے لئے سپر ہو جائے۔"

(حسام الحرمین لاہور ص ۵۲-۵۱)

کسی عارف کامل نے کیا خوب کہا ہے ؎

در خیالِ حضرت جاناں زخود بیزار باش
بے خبر از خود باش و با خبر از یار باش

المختصر مولانا کوثر نیازی کا یہ مقالہ اہل دانش کو دعوتِ فکر دیتا ہے، امام احمد رضا کی شخصیت کو پرکھنے کا سلیقہ بتاتا ہے اور امام احمد رضا کے فکر و خیال کے مختلف گوشوں کو روشن کرتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ اتحاد و اتفاق کی یہی ایک صورت نظر آتی ہے ؎

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر
شریکِ زمرۂ لَا یَحْزَنُوْن کر

آمین

(پروفیسر ڈاکٹر) محمد مسعود احمد
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج اینڈ
پوسٹ گریجویٹ اسٹڈیز سنٹر سکھر

امامِ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

ایک ہمہ جہت شخصیت

از: مولانا کوثر نیازی

اردو زبان میں جب کبھی "آں حضرت" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے سرکارِ ختمی مرتبت کا وجودِ باجود ذہن میں آجاتا ہے اور جب "اعلیٰ حضرت" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے سرکار کے ایک غلام "احمد رضا خاں بریلوی" کا نام سامنے آجاتا ہے، دیکھا جائے تو یہ مقام امام احمد رضا خاں کو ان کے ماننے والوں کی خوش عقیدگی سے نہیں ملا، یہ ان کے فنافی الرسول اور ایک ہمہ جہت شخصیت ہونے کا فیضان ہے، برصغیر میں یوں تو کئی جامع الصفات شخصیات گزری ہیں مگر جب ایک غیر جانبدار مبصر ان سب کا جائزہ لیتا ہے تو جیسی ہمہ صفت موصوف شخصیت امام رضا کی نظر آتی ہے ویسی کوئی دوسری نظر نہیں آتی۔

کون سا علم تھا جس پر انہیں دسترس نہ تھی، تفسیر، حدیث، فقہ، ہندسہ، ریاضی، سائنس، فلسفہ، علم ہیئت، جفر، طبیعیات، کیمیا، اقتصادیات، ارضیات، طب، جغرافیہ، تاریخ، سیاسیات، علم مناظرہ، منطق، جبر و مقابلہ، نحو، صرف، علم معانی، علم بیان، علم صنائع، علم بدائع، قرات، تجوید، تصوف، سلوک، لغت، شاعری، ادب، خط نسخ، خط نستعلیق۔ ان کے سوانح نگاروں نے ساٹھ کے قریب علم گنوائے ہیں جن میں انہیں مہارت تامہ حاصل تھی، وہ بیک وقت ایک عظیم ادیب بھی تھے اور خطیب بھی، مناظر بھی تھے اور متکلم بھی، محدث بھی تھے اور مفسر بھی فقیہ بھی تھے اور سیاست دان بھی اور جب وہ تحدیث نعمت کے طور پر کہتے ہیں تو غلط نہیں کہتے (اور اس لفظ "سخن" میں کلام کی سبھی شاخیں

شامل ہیں) کہ؎

مُلکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مُسلّم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دئے ہیں

گردشِ ایام کی یہ بھی ایک عجیب ستم ظریفی ہے کہ تاریخ کی اکثر و بیشتر عظیم شخصیات مقبول ہونے کے ساتھ ساتھ مظلوم بھی رہی ہیں، اس نے ہمیشہ اپنے باب میں لوگوں کو دو خانوں میں تقسیم کیا ہے، کسی کو غیر جانبدار نہیں چھوڑا۔ کچھ کو ان سے سخت عقیدت رہی ہے تو کچھ عداوت کی حد تک ان کے مخالف رہے ہیں، اس مخالفت میں ان کی ذات پر پروپیگنڈے کی دھول بھی اڑائی گئی ہے، امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کو دیکھ لیجئے۔ نُصَیری نے انہیں خدا بنا دیا تو خوارج نے کافر ٹھہرایا، ہمارے قریبی دور کی مثال محمد علی جناح ہیں چاہنے والوں نے انہیں قائدِ اعظم کہا اور فتویٰ بازوں نے انہیں کافرِ اعظم، یہی صورت حال امام احمد رضا کی شخصیت کے باب میں رہی جو ان کی شخصیت کا عرفان رکھتے ہیں ان کے نزدیک وہ برِصغیر کے امام ابوحنیفہ تھے اور جو ان سے مُخاصَمت کی حد تک مخالفت رکھتے ہیں ان کے نزدیک وہ ایک بدعتی مُتشَدّد مفتی اور مناظر اور ایک انگریز نواز مولوی تھے، معاصرت تو ہمیشہ سے سببِ منافرت رہی ہے، لیکن افسوس کہ ان کی وفات کے اکہتر سال بعد بھی نقد و نظر کا مطلع اب تک گرد آلود ہے، تعصب کی رنگین عینکیں لگا کر دیکھنے والوں نے صاف نظروں سے ابھی تک ان کا روئے تاباں دیکھنے کی کوشش نہیں کی اگر وہ انصاف کرتے تو انہیں یہ جاننے میں کوئی دشواری نہ ہوتی کہ امام رضا کے خلاف پھیلائے جانے والا پروپیگنڈا مخالفین کے اپنے دِلوں پر چھائے ہوئے غبارِ کدورت کا نتیجہ ہے ورنہ خود امام کے زبان و قلم اور قول و فعل سے نکلا ہوا ہر ہر لفظ تو زبانِ حال سے یہ پکار رہا ہے؎

نہ شبم، نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم
چوں غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

کیا ستم ظریفی ہے کہ جو ردِّ بدعات میں شمشیر برہنہ تھا، اسے خود حامی بدعات قرار دیا گیا ان کے افکار و فتاویٰ کا مطالعہ کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ جتنی سخت مخالفت خلافِ پیغمبر راہ گزینی کی انہوں نے کی شاید ہی کسی اور نے کی ہو، اُن کے ایک معاصر حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی نے "مرشد" کو سجدہ تعظیمی کے نام سے ایک کتابچہ لکھا تو امام رضا نے "حرمتِ سجدہ تعظیمی[1]" کے نام سے اس کا جواب لکھا اور سو سے زیادہ آیات و احادیث سے اسے حرام ثابت کیا، عام طور پر لوگ پیری مریدی کو اسلام کا لازمہ قرار دیتے ہیں مگر آپ نے اپنی مشہور کتاب "السنیۃ الانیقہ[2]" میں لکھا ہے کہ :۔

"انجامِ کارِ رُستگاری کے واسطے صرف نبی کو مرشد جاننا بس ہے"۔

اسی طرح ہمارے ہاں قبروں پر چراغاں کیا جاتا ہے مگر امام رضا قبروں پر چراغ جلانے کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ صرف اس صورت اس کے جواز کی قائل ہیں جب قبر راستے میں واقع ہو یا مسجد میں ہو اور اس کی روشنی سے مسافروں اور نمازیوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہو۔ آج کل مزاروں پر سونں اور ٹنوں کے حساب سے چادریں چڑھانے کا رواج ہے اور یہ چادریں عام طور پر وزیروں اور امیروں کی دستار بندی میں صرف کی جاتی ہیں۔ امام احمد رضا قبر پر صرف ایک چادر چڑھانے کی حد تک اس کے جواز کے قائل ہیں۔ ڈھیروں چادریں چڑھانے کو بطور رسم جائز نہیں سمجھتے، لکھتے ہیں :

"جو دام اس میں صرف کریں ولی اللہ کی روح مبارک کو ایصال ثواب کے لئے محتاج کو دیں"۔

ناواقف لوگ آج کل کی قوالیوں کو بھی امام رضا کے مکتبِ فکر کی پہچان قرار دیتے ہیں مگر آپ نے اپنے رسالہ "مسائل سماع" میں ان قوالیوں کو ناجائز

۱؎ اصل نام ہے اَلزُّبْدَۃُ الزَّکِیَّۃُ لِتَحْرِیْمِ سُجُوْدِ التَّحِیَّۃِ (۱۳۳۷ھ) ۱۲ ناشر

۲؎ مشہور بہ فتاویٰ افریقہ، ۱۲ ناشر

ٹھہرایا ہے جنہیں مزامیر کے ساتھ سنا جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ امام احمد رضا بہت متشدد تھے، انہوں نے اپنی کتابوں میں بڑے بڑے علماء اور اکابر کو کافر ٹھہرایا ہے مگر میں کہتا ہوں یہی ایک بات تو انہیں دوسرے مکاتب فکر کے مقابلے میں ممیز و متشخص کرتی ہے، بدقسمتی سے ہمارے ہاں اکثر لوگ انہیں بریلوی نامی ایک فرقے کا بانی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ اپنے مسلک کے اعتبار سے صرف حنفی اور سلفی ہیں اور بس، ان کے مقابلے میں جن لوگوں کو دیوبندی کہا جاتا ہے فقہی مسلک اور اکثر و بیشتر دوسرے مسائل میں وہ بھی وہی نقطۂ نظر رکھتے ہیں جو مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ہے، پیری مریدی ان کے ہاں بھی پائی جاتی ہے فیض قبور کا وہ بھی اعتراف کرتے ہیں، عدم تقلید کے وہ بھی مخالف ہیں، امام ابوحنیفہ کی فقہ کو دوسرے تمام فقہی اصولوں پر وہ بھی ترجیح دیتے ہیں۔ اصل جھگڑا یہاں سے چلا کہ ان کے بعض اکابر کی خلاف احتیاط تحریروں کو امام رضا نے قابل اعتراض گردانا اور چونکہ معاملہ عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، توہین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد پر انہیں فتووں کا نشانہ بنایا۔ دیکھا جائے تو یہی فتوے امام بریلوی اور ان کے مکتب فکر کے جداگانہ تشخص کا مدار ہیں، جس تشدد کی دہائی دی جاتی ہے وہی ان کی ذات کی پہچان اور پوری حیات کا عرفان ہے، وہ فنا فی الرسول تھے اس لئے ان کی غیرت عشق احتمال کے درجے میں بھی توہین رسول کا کوئی خفی سے خفی پہلو بھی برداشت کرنے کو تیار نہ تھی، دم آخر اپنے عقیدت مندوں اور وارثوں کو جو وصیت کی وہ بھی یہی تھی کہ :

"جس سے اللہ اور رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو فوراً اس سے جدا ہو جاؤ، جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو اپنے اندر سے اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو" (وصایا شریف)

میں نے صحیح بخاری کا درس مشہور دیوبندی عالم شیخ الحدیث حضرت مولٰنا محمد ادریس کاندھلوی مرحوم و مغفور سے لیا ہے، کبھی کبھی اعلیحضرت کا ذکر آجاتا تو مولٰنا کاندھلوی فرمایا کرتے "مولوی صاحب! (اور یہ مولوی صاحب ان کا تکیہ کلام تھا) مولانا احمد رضا خاں کی بخشش تو ان ہی فتووں کے سبب ہوجائے گی" اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ "احمد رضا خان! تمہیں ہمارے رسول سے اتنی محبت تھی کہ اتنے بڑے بڑے عالموں کو بھی تم نے معاف نہیں کیا تم نے سمجھا کہ انہوں نے توہین رسول کی ہے تو ان پر بھی کفر کا فتویٰ لگا دیا، جاؤ اسی ایک عمل پر ہم نے تمہاری بخشش کر دی" کم و بیش اسی انداز کا ایک اور واقعہ مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی سے میں نے سنا، فرمایا:-

"جب حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کی وفات ہوئی تو حضرت مولٰنا اشرف علی تھانوی کو کسی نے آکر اطلاع کی مولانا تھانوی نے بے اختیار دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دئے جب دعا کر چکے تو حاضرین مجلس میں سے کسی نے پوچھا وہ تو عمر بھر آپ کو کافر کہتے رہے اور آپ ان کے لئے دعائے مغفرت کر رہے ہیں، فرمایا (اور یہی بات سمجھنے کی ہے) کہ مولٰنا احمد رضا خاں نے ہم پر کفر کے فتوے اس لئے لگائے کہ انہیں یقین تھا کہ ہم نے توہینِ رسول کی ہے اگر وہ یہ یقین رکھتے ہوئے بھی ہم پر کفر کا فتویٰ نہ لگاتے تو خود کافر ہو جاتے۔"

حقیقت میں جسے لوگ امام احمد رضا کا تشدد قرار دیتے ہیں، وہ بارگاہِ رسالت میں ان کے ادب و احتیاط کی روش کا نتیجہ ہے، شاعر نے شاعری نہیں کی شریعت کی ترجمانی کی ہے جب یہ کہا ہے ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

اور میرا اپنا ایک شعر ہے ؎

لے سانس بھی آہستہ کہ دربارِ نبی ہے ؛ خطرہ ہے بہت سخت یہاں بے ادبی کا

ادب و احتیاط کی یہی روش امام رضا کی تحریر و تقریر کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے یہی ان کا سوز نہاں ہے جو ان کا حرزِ جاں ہے ان کا طرۂ ایمان ہے' ان کی آہوں کا دھواں ہے' حاصلِ کون و مکاں ہے' برترازاین وآں ہے' باعثِ رشکِ قدسیاں ہے' راحتِ قلبِ عاشقاں ہے' سرمۂ چشمِ سالکاں ہے' ترجمہ کنزالایمان ہے۔

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى کے ترجمہ کو دیکھ لو' قرآن پاک شہادت دیتا ہے۔ "مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى" رسول گرامی نہ گمراہ ہوئے نہ بھٹکے "ضَلَّ" ماضی کا صیغہ ہے' مطلب یہ کہ ماضی میں آپ کبھی بھی گم گشتہ راہ نہیں ہوئے۔ عربی زبان ایک سمندر ہے اس کا ایک ایک لفظ کئی کئی مفہوم رکھتا ہے ترجمہ کرنے والے اپنے عقائد و افکار کے رنگ میں ان کا کوئی سا مطلب اخذ کر لیتے ہیں۔ "وَوَجَدَكَ ضَالًّا" کا ترجمہ مَاضَلَّ کی شہادتِ قرآن کو سامنے رکھ کر عظمتِ رسول کے عین مطابق کرنے کی ضرورت تھی مگر ترجمہ نگاروں سے پوچھو انہوں نے آیتِ قرآنی سے کیا انصاف کیا ہے۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسن ترجمہ کرتے ہیں۔

"اور پایا تجھ کو بھٹکتا' پھر راہ سجھائی"

کہا جا سکتا ہے مولانا محمود الحسن ادیب نہ تھے ان سے چوک ہو گئی۔ آیئے ادیب' شاعر اور مصنف اور صحافی مولانا عبدالماجد دریا بادی کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کا ترجمہ ہے۔

"اور آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بتایا"

مولانا دریا بادی پرانی وضع کے اہلِ زبان تھے ان کے قلم سے صرفِ نظر کر لیجئے اس دور میں اردوئے معلیٰ میں لکھنے والے اہلِ قلم حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے دروازے پر دستک دیجئے' ان کا ترجمہ یوں ہے۔

"اور تمہیں ناواقفِ راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی"

عیاذاً باللہ پیغمبر کی گم رہی اور پھر ہدایت یابی میں جو جو وسوسے اور خرخشے چھپے ہوئے ہیں انہیں نظر میں رکھئے اور پھر "کنزالایمان" میں امام احمد رضا خاں کے ترجمے کو دیکھئے ؎

بیا ور بدگر ایں جا بود سخن دانے
غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد

امام نے کیا عشق افروز اور ادب آموز ترجمہ کیا ہے۔

فرماتے ہیں۔ "اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی"۔ کیا ستم ہے فرقہ پرور لوگ "رشدی" کی ہفوات پر تو زبان کھولنے سے اور عالم اسلام کے قدم بقدم کوئی کارروائی کرنے میں اس لئے تامل کریں کہ کہیں آقایانِ ولی نعمت ناراض نہ ہو جائیں، مگر امام رضا کے اس ایمان پرور ترجمہ پر پابندی لگا دیں جو عشقِ رسول کا خزینہ اور معارفِ اسلامی کا گنجینہ ہے۔

جُنوں کا نام خِرد رکھ دیا خِرد کا جُنوں
جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

شاعری ایک اور میدان ہے جہاں بے اختیار ادب و احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور شاعری میں بھی نعت گوئی کی صِنف تو ایک ایسی مشکل صِنفِ سخن ہے جس میں ایک ایک قدم پل صراط پر رکھنا پڑتا ہے، یہاں ایک طرف محبت ہے تو ایک طرف شریعت، ایک شاعر نے روضۂ رسول پر اپنی حاضری کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

کس بیم ورجا کے عالم میں طیبہ کی زیارت ہوتی ہے
اِک سمت محبت ہوتی ہے اِک سمت شریعت ہوتی ہے

لیکن یہ کیفیت حقیقت میں صرف روضۂ رسول پر حاضری کے وقت ہی طاری نہیں ہوتی، نعت کہتے وقت ہر شعر اسی امتحان و آزمائش سے دوچار ہوتا ہے، یہاں بھی ایک طرف محبت ہوتی ہے ایک طرف شریعت، اگر حرف

شریعت کو ملحوظ رکھا جائے تو شعر شعر نہ رہے وعظ و تقریر بن جائے اور اگر صرف محبت کے تقاضے پورے کئے جائیں تو ایک ایک لفظ شریعت کی جراحت کا مجرم ٹھہرے۔ عرفی شیرازی نے اس نازک صورت حال کو اپنے ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

"عرفی جلد جلد قدم نہ اٹھا یہ نعت کا میدان ہے، صحرا نہیں ہے آہستہ آہستہ چل کیونکہ تو تلوار کی دھار پر قدم رکھ رہا ہے۔"

امام احمد رضا کو بھی اس مشکل کا کامل احساس ہے وہ ملفوظات میں فرماتے ہیں "نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے، بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہونچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے"۔ اس لئے ایک جگہ فرمایا: "قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی" اس معیار کو سامنے رکھ کر ہم نعتیہ شاعری کے ذخائر پر نظر ڈالتے ہیں تو اس پر صرف ایک ہی شاعر پورا اترتا ہے اور وہ خود احمد رضا خاں بریلوی ہیں۔ آپ سب جانتے ہیں میں ادب کا طالب علم ہوں۔ برا بھلا شعر بھی کہہ لیتا ہوں۔ اردو عربی، فارسی تینوں زبانوں کا نعتیہ کلام میں نے دیکھا ہے اور بالاستیعاب دیکھا ہے میں بلا خوفِ تردید کہتا ہوں کہ تمام زبانوں اور زمانوں کا پورا نعتیہ کلام ایک طرف اور شاہ احمد رضا کا سلام۔

"مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام"

ایک طرف۔ دونوں کو ایک ترازو میں رکھا جائے تو احمد رضا کے سلام کا پلڑا پھر بھی جھکا رہے گا میں اگر یہ کہوں کہ یہ سلام اردو زبان کا قصیدہ بردہ ہے تو اس میں ذرہ بھر بھی مبالغہ نہ ہوگا۔ جو زبان و بیان، جو سوز و گداز، جو معارف و حقائق قرآن و حدیث اور سیرت کے جو اسرار و رموز، انداز و اسلوب میں جو قدرت و ندرت اس سلام میں ہے وہ کسی زبان کی شاعری کے کسی شہ پارے میں نہیں۔ مجھے افسوس

ہے کہ اہل قلم نے اس جانب توجہ نہیں دی ورنہ اس کے ایک ایک شعر کی تشریح میں کئی کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔

ایک شعر میں پڑھتا ہوں اور دعوے سے کہتا ہوں آپ نے کسی زبان کی شاعری میں سرکار ختمی مرتبت کی ریش مبارک کی یہ تعریف نہ سنی ہو گی۔ ذرا تصور کیجئے ایک نہر ہے اس کے ارد گرد سبزہ ہے۔ اس سبزہ سے نہر کا حسن دوبالا ہو گیا ہے۔ اب نہر کس کو کہا۔ سرکار کے دہن مبارک کو' نہر عربی زبان میں دریا کو کہتے ہیں، آپ کے دہن مبارک کو نہر رحمت قرار دیا کہ ایک رحمت کا دریا ہے جو اس دہن اقدس سے موجزن ہے۔ ایک فارسی شاعر نے کہا ہے ؎

نرفت "لا" بزبان مبارکش ہرگز
مگر باشھد ان لا الٰہ الا اللہ

آپ کی زبان مبارک سے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ میں جو "لا" ہے اس کے علاوہ لایعنی نہیں کا لفظ کبھی نہیں فرمایا گیا۔ شاہ رضا کہتے ہیں ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
"نہیں" سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

یہ دہن اقدس' یہ نہر رحمت کہ سفر طائف میں پتھروں کی بارش ہوئی، سر مبارک سے خون بہا نعلین مبارک تک آگیا۔ مگر ہاتھ دعا کو اٹھائے۔ عرض کیا۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

"اے اللہ میری قوم کو ہدایت نصیب فرما یہ لوگ نہیں جانتے، علم نہیں رکھتے، میرے مقام اور پیغام سے بے خبر ہیں"۔

تو اس دہنِ اقدس کو نہرِ رحمت کہا اور ریشِ مبارک کیا ہے؟ اس نہرِ رحمت کے گرد لہلہانے والا سبزہ، جس نے نہرِ رحمت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اب شعر ملاحظہ فرمائیے ؎

خط کی گردِ دہن وہ دل آرا پھبن ؎ سبزۂ نہرِ رحمت پہ لاکھوں سلام

حضرت رضا آگے بڑھتے ہیں۔ سرکار کی، آپ کی ازواج مطہرات کی، صحابہ کرام، اہلِ بیت کی، اولیائے کبار کی، بالخصوص حضرت غوث الاعظم کی، جو امام الاولیاء ہیں تعریف کرنے کے بعد حرف مطلب زبان پر لاتے ہیں مگر اس میں بھی کیا امتیاز و اختصاص ہے، درخواست ذاتی نہیں جاتی ہے، انفرادی نہیں اجتماعی ہے۔ صرف اپنے لئے نہیں پوری امت کے لئے ہے، کہتے ہیں ؎

ایک میرا ہی رحمت میں دعویٰ نہیں
شاہ کی ساری اُمت پہ لاکھوں سلام

اور خود کیا چاہتے ہیں؟ یہ سلام اور نعت لکھنے سے غرض کیا ہے؟ کہتے ہیں میں تو صرف اتنا انعام چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن جب سب آپ پر سلام بھیج رہے ہوں وہ فرشتے جو آپ کی خدمت کے لئے مقرر ہیں مجھے آواز دے کر کہیں "احمد رضا! تم بھی تو سلام سناؤ وہی سلام ــــ مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام ــــ"، تو میری مزدوری وصول ہو جائے گی۔

کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور
بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا
مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

بات پھیل گئی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مخالفین جس بات کو شاہ احمد رضا کا تشدّد کہتے ہیں وہ تشدّد نہیں ان کا عشقِ رسول ہے۔ ان کا ادب و احتیاط ہے جو فتوے نویسی سے لے کر ترجمہ قرآن تک اور ترجمہ قرآن سے لے کر ان کی نعتیہ شاعری تک ہر جگہ آفتاب و ماہتاب بن کر ضو فشانی کر رہا ہے۔

اور کہنے والوں کی زبان کون روک سکتا ہے وہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت احمد رضا اوّل و آخر انگریز نواز شخصیت تھے۔ خلافت، ترک موالات، اور تحریک

ہجرت اور تحریک ہجرت کی سبھی انقلابی تحریکوں میں ان کی روش انقلاب دشمنی پر مبنی تھی۔ ہندوستان کے دارالاسلام اور دارالحرب ہونے کی بحث میں بھی ان کا نقطۂ نظر رجعت پسندانہ تھا۔ اس لئے برصغیر کی تحریکِ آزادی میں انہوں نے محض منفی کردار ادا کیا اور بس!

سب سے پہلے تو اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ امام احمد رضا پالیٹیشن نہیں یا اسٹیٹس مین تھے، سیاسی لیڈر نہ تھے، مدبر تھے، پالیٹیشن اور سیاسی لیڈر عوام کی خواہشات کے تابع ہوتے ہیں۔ جب کہ اسٹیٹس مین اور مدبرین پیش بینی کر کے حالات کا رخ متعین کرتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ مذکورہ تحریکیں اپنے اپنے وقت میں جذباتیت کا سیلِ رواں تھیں مگر ان تحریکوں کا نتیجہ کیا نکلا، تحریک ہجرت پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا رئیس احمد جعفری ندوی نے لکھا ہے۔

" پھر ہجرت کی تحریک اٹھی، اٹھارہ ہزار مسلمان اپنا گھر بار، جائیداد، اسباب غیر منقولہ اونے پونے بیچ کر — خریدنے والے زیادہ تر ہندو ہی تھے، افغانستان ہجرت کر گئے وہاں جگہ نہ ملی واپس لوٹ گئے، کچھ مرکھپ گئے۔ جو واپس آئے تباہ حال خستہ، درماندہ، مفلس، قلاش، تہی دست، بے نوا، بے یار و مددگار۔ اگر اسے ہلاکت نہیں کہتے تو کیا کہتے ہیں؟" (حیات محمد علی جناح ص ۱۰۸)

اور تحریک ہجرت اس بحث کا منطقی نتیجہ تھی کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب۔ امام احمد رضا اسے دارالحرب قرار نہیں دیتے تھے وہ جانتے تھے کہ اس سے مسلمانوں کے لئے سود کھانا تو جائز ہو جائے گا۔ مگر ہجرت اور تلوار اٹھانا ان پر لازم ہو جائے گا۔ وہ اسے دارالاسلام قرار دیتے تھے کہ سینکڑوں برس مسلمان اس پر حکمران رہے تھے۔ اب بھی سرزمین میں امن تھا اور مسلمانوں کو دینی فرائض کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ حیرت ہے کہ جو لوگ انگریز کے زمانے میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے پر مصر تھے آج ہندو راج میں اسے دارالحرب قرار دینے کا لفظ بھی منہ سے نہیں نکالتے۔ مطلب

واضح ہے انگریز کے سامنے ہندو پس پردہ ان فتووں کی تار ہلا رہے تھے جن میں ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا جا رہا تھا تاکہ مسلمان انگریز کے خلاف تلوار اٹھائیں مر کھپ جائیں اور جو باقی بچیں وہ ہجرت کر کے اس سرزمین ہی کو چھوڑ جائیں۔ آج ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا جائے تو ہندو سیکولرزم کا طلسم پاش پاش ہوتا ہے مسلمان جہاد کے نام پر برسر پیکار ہوں یا ہجرت کریں، سیکولرزم کے غبارے سے ہوا نکل جاتی ہے۔ اس لئے آج ہندوستان کو دار الحرب قرار دینے والے مفتیان کرام کے وارث بھی لب ہیں اور اس طرح اپنے عمل سے امام احمد رضا کے فتویٰ کی تائید کر رہے ہیں۔

تحریکِ خلافت اور تحریک ترک موالات کا معاملہ بھی اس سے چنداں مختلف نہیں۔

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگِ عظیم شروع ہوئی۔ اس میں ہندوستان سے فوجی بھرتی کرنے کے لئے برطانیہ نے اعلان کیا کہ جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد ہندوستان کو آزاد کر دیا جائے گا ظاہر ہے اس وقت مسلمانوں کے سامنے پاکستان کا نصب العین نہ تھا۔ ہندوستان آزاد ہوتا تو حکومت ہندو اکثریت ہی کی ہوتی یہی وجہ ہے کہ گاندھی جی نے فوجی بھرتی کی زبردست حمایت کی اور دو لاکھ کے قریب ہندو اور مسلمان سپاہی انگریزی افواج کے ساتھ مل کر لڑے۔ ترکی کو اس جنگ میں شکست ہوئی فتح پانے کے بعد انگریز وعدے سے پھر گیا۔ اب گاندھی جی اسے سزا دینے کی فکر میں تھے۔ اس مقصد کے لیئے خلافت کا مسئلہ ڈھونڈ نکالا گیا۔ حالانکہ سب جانتے تھے کہ ترکی کی سلطنت عثمانیہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے خلافت کے نام پر ایک دھبے سے کم نہیں، مگر یکا یک کہا جانے لگا کہ ترکی کا سلطان اسلام کا خلیفہ ہے اور اس کی خلافت ختم کرنا اسلام پر حملہ کرنے کے مترادف ہے۔ مسلمان بھڑک گئے ایک تحریک چل نکلی مگر طرفہ تماشہ یہ کہ تحریک کی قیادت گاندھی جی کے ہاتھ میں تھی گویا جو ہندوستان میں ایک الگ خطہ زمین دینے کے حق میں نہ تھا وہ

عالمی سطح پر مسلمانوں کی خلافت بحال کرا رہا تھا۔ امام احمد رضا گاندھی کے بچھائے ہوئے اس دامِ ہمرنگِ زمین کو خوب دیکھ رہے تھے انہوں نے متحدہ قومیت کے خلاف اس وقت آواز اٹھائی جب اقبال اور قائداعظم بھی اس کی زلفِ گرہ گیر کے اسیر تھے دیکھا جائے تو دو قومی نظریہ کے عقیدے میں امام رضا مقتدا ہیں اور یہ دونوں حضرات مقتدی. پاکستان کی تحریک کو کبھی فروغ حاصل نہ ہوتا اگر امام احمد رضا سالوں پہلے مسلمانوں کو ہندوؤں کی چالوں سے باخبر نہ کرتے۔

یہی صورت حال تحریک ترک موالات کی تھی، گاندھی جی مسلمانوں کو ہندوؤں کے ساتھ مل کر ہر قسم کے بائیکاٹ کے لئے اکسا رہے تھے۔ امام احمد رضا کا موقف یہ تھا کہ موالات دوستی اور محبت کو کہتے ہیں. حکم مشرکین اور کفار سے دوستی اور محبت نہ کرنے کا ہے۔ لین دین اور معاملات کے ترک کا نہیں اور جہاں تک دوستی کی ممانعت کا تعلق ہے اس میں انگریز کی تخصیص نہیں اس میں ہندو بھی شامل ہیں۔ ایک مشرک سے پیار کی پینگیں بڑھا کر دوسرے مشرک کا مقاطعہ مسلمانوں کو زیب نہیں دیتا۔

قائداعظم محمد علی جناح تحریک ترک موالات کے مخالف تھے مگر مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی سمیت بہت سے مسلمان رہنما اس مسئلے میں گاندھی کے ساتھ تھے. امام احمد رضا کے کلمۂ حق سے متاثر ہو کر یہ سیاسی اکابر بھی آہستہ آہستہ ہندو کی سیاست سے باخبر ہوتے چلے گئے. خود علامہ اقبال ایک زمانے میں تحریک خلافت کی صوبائی کمیٹی کے صدر تھے. مگر جب تحریک کے اصل ہدف سے آگاہ ہوئے تو صدارت سے استعفاء دیدیا. ان کے یہ اشعار اسی دور کی یادگار ہیں۔

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا
خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ بادشاہی

امام کو مکمل دسترس حاصل نہ ہو اور اس پر کوئی تصنیف نہ لکھی ہو یقیناً آپ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے صحیح جانشین تھے۔ جس سے ایک عالم فیض یاب ہوا۔

یہاں علوم و فنون کے حوالے سے ایک بات کا ذکر کرنا چاہوں گا۔ دوران تعلیم مولوی فاضل کے درجے میں مقامات حریری پڑھے جو عربی ادب کے حوالے سے ایک منفرد مقام کے حامل ہیں اسی طرح فیضی کی تفسیر بے نقط دیکھی جس کو تاریخ میں ایک بلند امتیاز حاصل ہے کہ چند حروف بے نقط سے قرآن پاک کی تفسیر لکھ دی گئی یقیناً صاحب تصنیف کا ایک عظیم کارنامہ ہے اسی طرح عربی ادب کے اور بھی شاہکار مطالعہ کے دوران نظر سے گذرے مگر ان سب پر امام احمد رضا کے فتاویٰ کا عربی خطبہ فوقیت اور انفرادیت رکھتا ہے اس میں امام نے فقہ کی کتابوں اور مصنفوں کے ناموں کو اس طرح مربوط ترتیب دیا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، ۹۰ کتابوں کے ناموں کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ خطبہ میں حمد و ثنا بھی بیان ہو گئی نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ادا ہو گئی اور صحابہ کرام و آل رسول پر صلوٰۃ بھی۔ بلا شک و شبہہ مولانا کا عربی خطبہ عربی ادب کا لازوال شاہکار ہے جس کی مثال پیش کرنا مشکل ہے۔

اردو زبان کے تو آپ شہنشاہ تھے کثیر تعداد میں تصانیف اردو زبان میں لکھی ہیں اور عموماً تمام کتب کا معیار اتنا بلند ہے کہ ان کو صرف اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے کتابیں لکھی ہی اہل علم کے لئے ہیں لیکن اب ضرورت اس امر کی ہے کہ امام کی کتابوں کو عوام کی رسائی تک پہونچانے کے لئے ان کو آسان زبان میں منتقل کیا جائے۔ یا حواشی کے ساتھ کتابیں شائع ہوں تاکہ عوام بھی اس علم کے سمندر سے افادہ کر سکیں۔ امام احمد رضا دراصل علماء کے امام تھے یعنی امام العلماء تھے اور دعوے سے کہتا ہوں کہ آج عالم کی کسوٹی یہ ہے کہ اگر وہ امام کی کتابوں کو سمجھ لیں تو وہ عالم کہلانے کے مستحق ہیں اور وہ امام کے علم کی تہہ تک پہونچ جائیں تو وہ عالم کہلانے کے حقدار ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے نبی تھے یہی وجہ ہے کہ آپ

کی پاک و ہند کی سرزمین کی طرف بھی خاص نظر تھی۔ احادیث میں لفظ ہند بھی آیا ہے خاص کر شمشیر ہندی کا تذکرہ بارہا آیا ہے اور شروع کے لٹریچر میں اس کا ذکر برابر ملتا ہے کیونکہ ہند کی تلوار اس زمانے میں بہت مشہور ہوا کرتی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہند کے مختلف قبائل اور ذاتوں سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ چنانچہ واقعہ معراج میں ایک روایت یہ بھی پائی جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مختلف انبیاء کرام کے حالات بیان فرمائے تو فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ہند کی قوم "جاٹ" کی طرح مضبوط پایا یعنی ڈیل ڈول میں قوم جاٹ کے جوانوں کی طرح آپ کی جسامت مضبوط تھی اس کا مکمل حوالہ میرے کتب خانہ میں موجود ہے ابھی ذہن میں پورا حوالہ نہیں آرہا ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم کے تمام انسانوں کی جسامت کا بھی علم تھا اسی لئے تو موسیٰ علیہ السلام کی جسمانی طاقت کو ہند کی قوم جاٹ سے تشبیہ دے کر بتایا۔ اسی طرح ہندوستان سے تعلق رکھنے والے ایک صحابی بابا رتن کا بھی تذکرہ ملتا ہے اور ان سے حدیثوں کا مجموعہ بھی منسوب ہے اگرچہ یہ صحابی کی حیثیت سے اکثریت کے نزدیک مشکوک ہیں لیکن عشاق کے لئے یہ بہت کافی ہے کہ سرزمین ہند سے بھی ایک فرد کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے۔

امام ابوحنیفہ کے آباء واجداد کا تعلق بھی سندھ کی سرزمین سے بتایا جاتا ہے اور غالباً مناظر حسن گیلانی نے ان کا قوم جاٹ کی ایک شاخ سے تعلق بتایا ہے اور دورِ حاضر کے امام ابوحنیفہ ثانی کا تعلق بھی اسی سرزمینِ ہند بریلی سے ہے یہ ہندوستان کے لئے بڑی عظمت کی بات ہے۔

فقہ حنفی میں ہندوستان میں دو کتابیں مستند ترین ہیں۔ ان میں سے ایک فتاویٰ عالمگیریہ ہے جو دراصل چالیس علماء کی مشترکہ خدمت ہے۔ جنہوں نے فقہ حنفیہ کا ایک جامع مجموعہ ترتیب دیا۔ دوسرا فتاویٰ رضویہ ہے۔ جس کی انفرادیت یہ ہے کہ جو کام چالیس علماء نے مل کر انجام دیا وہ اس

مردِ مجاہد نے تنہا کر کے دکھایا اور یہ مجموعہ فتاویٰ رضویہ، عالمگیریہ سے زیادہ جامع ہے اور میں نے جو آپ کو امام ابو حنیفہ ثانی کہا ہے وہ صرف محبت میں یا عقیدت میں نہیں کہا بلکہ فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپ اس دور کے ابو حنیفہ ہیں۔ آپ کے فتاویٰ میں مختلف علوم وفنون پر جو بحث کی گئی ہیں ان کو پڑھ کر بڑے بڑے علماء کی عقل دنگ رہ جاتی ہے کاش کہ اعلیٰ حضرت کی حیات اس دور کو میسر آجاتی تاکہ آج کل کے پیچیدہ مسائل حل ہو سکتے کیونکہ آپ کی تحقیق حتمی ہوتی۔ اس کے آگے مزید گنجائش نہ ہوتی، بہرحال ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کی جانب سے جو کتابیں بشمول فتاویٰ رضویہ اسلامی نظریاتی کونسل کو پیش کی ہیں۔ میں ان تمام کتب کی فوٹو کاپی کروا کر اپنے ساتھیوں کو دوں گا تاکہ وہ اس کا مطالعہ کریں اور پھر اسلامی نظریاتی کونسل میں جو مسائل زیرِ بحث ہیں ان کو ہم آپ کے علم کے نور سے حل کر سکیں۔

بشکریہ، مجلہ، امام رضا کانفرنس
ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی
۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۴ء ، ص ۴۹-۵۰

امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں

ہندوستان کے دور آخر میں ان جیسا طباع و ذہین فقیہہ پیدا نہیں ہوا۔

شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال

شیخ اہل سنت حضرت علامہ احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہندو پاک کے مانے ہوئے فقیہ، محدث اور مفسر تھے۔

شہید ملت ڈاکٹر قاضی نثار احمد کشمیر

مولانا احمد رضا خاں کے علم و فضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے فی الواقع وہ علوم دینی پر بڑی نظر رکھتے تھے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

میرے دل میں مولانا احمد رضا کا بے حد احترام ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب

باوجود ان کے (احمد رضا) حنفی ہونے کے ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ترجمہ قرآن (کنز الایمان) میں وہ چیز پیش کی ہے جس کی نظیر علمائے اہل حدیث کے ہاں بھی نہیں ملتی۔

علامہ سعید بن یوسف زئی اہل حدیث پاکستان

اگر کسی کو عشق رسول ﷺ سیکھنی ہو تو مولانا احمد رضا سے سیکھے

مولوی الیاس صاحب بانی تبلیغی جماعت

مولانا احمد رضا خان ایک سچے عاشق رسول ﷺ گذرے ہیں

مولانا ابوالکلام آزاد

امام احمد رضا کی ہمہ جہت شخصیت کا ایک اہم پہلو سائنس سے شناسائی ہے۔

فخر پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان سائنسدان

☆☆☆

امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں

ہندوستان کے دور آخر میں ان جیسا طباع وذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔

شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال

شیخ اہل سنت حضرت علامہ احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہندو پاک کے مانے ہوئے فقیہ، محدث اور مفسر تھے۔

شہید ملت ڈاکٹر قاضی نثار احمد کشمیر

مولانا احمد رضا خاں کے علم وفضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے فی الواقع وہ علوم دینی پر بڑی نظر رکھتے تھے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

میرے دل میں مولانا احمد رضا کا بے حد احترام ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب

باوجود ان کے (احمد رضا) حنفی ہونے کے ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ترجمہ قرآن (کنزالایمان) میں وہ چیز پیش کی ہے جس کی نظیر علمائے اہل حدیث کے ہاں بھی نہیں ملتی۔

علامہ سعید بن یوسف زئی اہل حدیث پاکستان

اگر کسی کو عشق رسول ﷺ سیکھنی ہو تو مولانا احمد رضا سے سیکھے

مولوی الیاس صاحب بانی تبلیغی جماعت

مولانا احمد رضا خان ایک سچے عاشق رسول ﷺ گذرے ہیں

مولانا ابوالکلام آزاد

امام احمد رضا کی ہمہ جہت شخصیت کا ایک اہم پہلو سائنس سے شناسائی ہے۔

فخر پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان سائنسدان

☆☆☆